اختیار کرے اس بارہ میں آپ کا خیال یہ تھا کہ کلچر خواہ کہیں کا اور کسی ملک کا ہو وہ بہرحال کسی کی میراث اور جائداد نہیں ہوتا۔ اس کی ایجاد کسی نے کی ہو لیکن اگر اس میں کچھ خوبیاں ہیں اور وہ زمانہ کے تقاضہ کے مطابق ہے تو دنیا کی ہر قوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے اختیار کرے اور اپنائے اور ایسا کرنے سے کسی قوم کی قومیت فنا نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسری ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑی ہو کر اجنبی اور بے میل نظر نہیں آتی۔ چنانچہ آج ایرانی مصری شامی۔ عراقی۔ چینی اور ترکی ہر جگہ کے لوگ کوٹ پتلون پہنتے ہیں لیکن پھر بھی ایرانی اور مصری وغیرہ ہی رہتے ہیں کچھ اور نہیں ہو جاتے۔

علاوہ بریں آپ فرماتے تھے کہ اٹھارہویں صدی سے قبل یورپ میں ہندوستان کی طرح ڈھیلے ڈھالے لباس پہنے جاتے تھے لیکن جب وہاں صنعت و حرفت کی ترقی کا دور شروع ہوا تو اس کی مناسبت سے زیادہ چست اور مستعد لباس پہنا جانے لگا جو آج ہر جگہ رائج ہے پس اگر ہندوستان کو بھی صنعتی ملک بننا ہے اور لازمی طور پر بننا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے پرانی وضع کے ڈھیلے ڈھالے لباس کو خیرآباد کہے اور یورپ کا لباس پہنے حضرت مرحوم اور بھی بہت کچھ فرماتے تھے اور اس ذیل میں ڈاڑھی اور پردہ وغیرہ کے متعلق بھی اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے جو سوچنے والے دماغ کے لئے کچھ کم اہم نہیں ہیں لیکن اس مختصر مقالہ میں نہ ان کے بیان کرنے کی گنجائش ہے اور نہ مناسب ہے البتہ اپنی کتاب میں ان سب چیزوں پہ نہایت مفصل گفتگو کروں گا۔ البتہ موقع کی مناسبت سے اس سلسلہ میں مولانا جو ایک اہم نکتہ بیان کرتے تھے اس کا ذکر ضروری ہے فرماتے تھے کہ "مغربی نیشنل ازم کا اختیار کرنا خاص مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اور بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بعد ہندو مسلمانوں کے تہذیبی تعصبات مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے سے دست وگریباں نہیں ہوں گے۔ ورنہ اگر ایسا نہیں ہوا تو آزادی کے بعد دونوں فرقوں میں تہذیبی جنگ شروع ہو جائیگی اور چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لئے ان کو شکست

ماننی پڑے گی۔ ہندو کہیں گے کہ مسلمانوں کو ہندو تہذیب اور کلچر اختیار کرنا چاہئے۔ اسی وقت وہ صحیح معنی میں ہندوستانی ہو سکتے ہیں مسلمان کچھ اس کی مخالفت کرینگے لیکن آخر انھیں شکست ہوگی اور پھر وہ ہندو کلچر اور تہذیب کو اختیار کرکے احساس کمتری میں مبتلا ہو جائینگے جس سے ان کی خودی فنا ہو جائے گی۔ اس لئے دھوتی اور پاجامہ، چپل اور جوتہ کرتہ اور شیروانی کے نزاع کو حل کرنے کی بہتر صورت یہ ہی ہے کہ دونوں کو ہی خیر آباد کہہ دیا جائے اور ٹرکی کی طرح اپنا قومی لباس بھی مغربی لباس بنالیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو اور مسلمان معاشرت اور لباس کے اعتبار سے ایک ہوں گے اور متحدہ قومیت کی وجہ سے انھیں ایک ہونا بھی چاہئے اور اس کے باوجود ان کو یہ خیال نہیں ستائیگا کہ ہندوؤں نے تہذیبی اعتبار سے مسلمان کو فتح کرلیا اور اس پر اپنے کلچرل اقتدار کی گرفت کو سخت کر دیا ہے مولانا کا خیال تھا کہ مسلمان اسلامی آداب معاشرت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے مغربی کلچر کو بہ آسانی کسی قدر تراش خراش کے ساتھ اختیار کر سکتے یا رومن کیرکٹر ان کا یہ ہی خیال زبان کے رسم الخط کی نسبت تھا۔ فرماتے تھے کہ ہندو مسلمان کا جھگڑا بولی پر ہرگز نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی زبان بولتے ہیں لیکن اصل نزاع رسم الخط کا ہے مسلمان ہندستانی کو فارسی رسم الخط میں لکھنا چاہتے ہیں اور ہندو دیوناگری میں اس لئے اس کا بہترین حل یہ ہے کہ آزادی ملنے سے قبل ہی رومن رسم الخط کو رواج دیا جائے ورنہ آزاد ہونے کے بعد اکثریت کی طاقت کے گھمنڈ میں ہندو رومن کیرکٹر کو بھی قبول نہیں کریں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ اردو رہے گی اور نہ اس کا رسم الخط۔

اب آپ مولانا کے ان ارشادات پر غور کیجئے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کی روشنی میں سوچئے کہ آج یہ باتیں کس طرح حرف بحرف الہامی باتیں معلوم ہوتی ہیں اس کے باوجود مولانا کے ساتھ اپنوں اور پرایوں نے جو معاملہ کیا ہیں اس پر ذرا حیرت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ جس ملک میں سیاسی لیڈر شپ کے لئے سب سے بڑی سند جیل جانا ہو اور جہاں پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر گلا پھاڑنا حریت کوشی و تدبر سیاسی کا سب سے بڑا ثبوت ہو وہاں مولانا ایسے حقایق آگاہ و حق شناس مفکر کے لئے اور توقع ہی کس برتاؤ کی ہو سکتی تھی!

اُردو ہی ہندوستان کی زبان ہوسکتی ہے

از

(جناب محترمہ حمیدہ سلطان صاحبہ)

"بہن حمیدہ سلطان سے اردو ادب کا کون طالب علم واقف نہیں ہے گھر کے لئے پر بھی اُردو کے مریض نیم جان کی سیوا کے لئے اپنے آباء و اجداد کی راجدھانی دہلی میں پڑی ہوئی ہیں اور اس کے لئے وہ سب کچھ کر رہی ہیں جو موجودہ حالات میں شاید مرد بھی نہیں کر سکتے ابھی حال میں انھوں نے اُردو مجلس دلی لٹریری سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے اس انجمن کے صدر پنڈت دتاتریہ کیفی ہیں اور سکریٹری خود ہیں خوشی کی بات ہے کہ انجمن کو با اثر اور ممتاز ہندوؤں سکھوں اور مسلمانوں کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے اس انجمن کے ہفتہ وار جلسے ہوتے ہیں اور مختلف قسم کے ادبی موضوعات پر مقالے پڑھے جاتے ہیں مشاعرے بھی ہوتے ہیں محترمہ بہن نے یہ مقالہ اسی انجمن کے اجلاس مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۴۹ء میں پڑھا تھا جو اب برہان میں شائع کیا جا رہا ہے اب اگرچہ زبان کی بحث لبعد از وقت ہے تاہم اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے اور ایک حقیقت کو جب بھی کہا جائے وہ بہرحال حقیقت ہی رہتی ہے وقت کے بدلنے سے بدل نہیں جاتی! (اڈیٹر)

جس زمانے میں ہم سانس لے رہے ہیں اسی میں ایک تہذیب ٹوٹ رہی ہے اور ایک نئی دنیا جنم لے رہی ہے۔

لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ جو گذر رہا ہے اور جو آرہا ہے اُسے بجا طور پر سمجھا نہیں جا رہا ہم کچھ نہ سمجھتے ہوئے بس تنقید کیے چلے جاتے ہیں ماضی کو چھوڑ کر ہمیں مستقبل کا فیصلہ کرنا ہے یہ بات ہمارے ذہنوں میں بہت کم آتی ہے۔

پہلے کیا تھا اس کا خیال چھوڑ کر آئندہ کیا ہونا چاہئے یہ سوچنا ہمارا فرض ہے کسی
مریض ذہنیت کے انسان پر غصہ کرنا یا اس کے چڑچڑے پن پر ناک بھوں چڑھانا اسی طر
بیجا اور غلط ہے جیسے کسی جسمانی مرض میں مبتلا انسان پر غصہ کرنا یا اس سے نفرت کرنا خود
بیماری سے بچنے کی کوشش کرنا الگ چیز ہے جس طرح انسان پیدا ہوتے تندرستی کا سکھ
بیمار پڑتے اور مرجاتے ہیں اسی طرح قومیں بھی تندرستی کا سکھ اٹھاتی، بیمار پڑتی اور مرتی
جو حالت جسمانی بیماریوں کی ہے وہی اخلاقی بیماریوں کی بھی ہے ہمارا ملک اس وقت تعصب
کے خطرناک مرض میں گھر گیا ہے اور یہ وبا اس بری طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے کہ
دل سے صاف دل انسان اس اخلاقی مرض سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکا تعصب کے جر
نے ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب پر قبضہ جما لیا سکھ کسی کو بھی نہیں ہر ایک دکھ اور نفرت
آگ میں جل رہا ہے اور اپنی برائی کا بوجھ دوسرے کے سر پر تھوپ رہا ہے یہ صورت حا
ترقی کی نہیں کہی جا سکتی ہمارے اخلاقی سرمائے کا شیرازہ بکھر کر رسوائی کی حد تک پہنچ چ
دوسرے آزاد ممالک ہماری اس تباہ حالی متعصب ذہنیت اور تنگ نظری کو دیکھ کر ہ
بھی ہیں اور متاسف بھی لیکن ہم خود کو اوروں کی نظروں میں گرا ہوا محسوس نہیں کر رہے۔

ایک زبان کے مسئلے کو ہی لیجئے کچھ ہی دن ہوئے اس پر اسمبلی میں گرما گرم مباحثے
اور خوب ایک نے دوسرے کی پگڑی اچھالی نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا یعنی اکثریت کی
اور اقلیت کی ہار لیکن یہ جیت اکثریت کی نہیں اسی تعصب کی ہے جو ہمارے ملک کی جڑ
میں لگا ہوا دیمک کے مانند ان کو کھوکھلا کر رہا ہے آپس کے ان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں
بیجا نفاق نے ملک کو تقسیم کرا دیا مگر پھر بھی ہمیں عبرت نہ ہوئی اور ہم پھر لڑنے جھگڑنے لگ
ان جھگڑوں کا بیج اس وقت پڑا جب کہ پچھلی صدی کا آخر اور موجودہ صدی کا شروع
تھا سب سے زیادہ خوفناک صورت اس رجحان نے اس وقت اختیار کی جب کہ کچھ
دل مگر نا عاقبت اندیش محبان وطن نے ہندی کے نام سے ایک ایسی زبان بنانے کی

وشش کی جو ابھی تک ہندوستان کے کسی ضلع یا حصے کی عام بول چال کی زبان نہیں ہے
وراس تفریق نے عوام کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکا دی جس وقت سے ان لوگوں نے
ن کے ہاتھ میں ملک وقوم کی باگ ڈور ہے اپنا رجحان اس طرف ظاہر کیا ہے اس وقت
سے تو صورت حالات بہت نازک ہوگئی ہے اس زبان کے قصے نے حالات کے بگاڑنے
ور ملک کے تقسیم کرانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے اور اگر آج یہ کہا جاتا ہے" کہ
صاحب لیجئے دیکھئے بھلا ایسے ملک میں پھولنے پھلنے کے کیا ذرائع ہیں جہاں زبان بھی
دو فرقوں کی علیحدہ کر دی گئی تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہندی اردو کو الگ
رکے گویا دو قوموں کا وجود الگ تسلیم کر لیا گیا جو کانگریس کی پالیسی کے بالکل خلاف ہے۔

اردو جو عرب یا ایران وکابل سے ٹٹو پر لد کر نہیں آئی بلکہ ہندو مسلمانوں کے باہمی
میل جول، رابطہ ومحبت کی سب سے بڑی یادگار ہے جس کی ایک ماں سنسکرت بھی ہے
س کو اس کے ملک سے کان پکڑ کر نکالا جا رہا ہے صرف اس لئے کہ یہ ہماری مشترکہ سماجی
زندگی کے مشترکہ کلچر کا سب سے بڑا ستون ہے اس ملک کے رہنے والے مذہبی اختلاف
کے علاوہ اپنے اور تمام معاملات میں اک عام مشترکہ سماجی زندگی رکھتے تھے یہی مشترکہ زبان
بازاروں میں، میلوں میں، کھیلوں کچہریوں میں، تعلیم میں، صنعت وحرفت میں، علم وفن میں،
لباس میں، کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں اک قوم کے نظریے کو واضح کرتی تھی اب
کیا چیز ہے جو ہمیں مشترک رکھ سکتی ہے ہمارے مذہب الگ، ہمارا کلچر جدا، ہماری زبان
الگ یہ ملک جو اک زبان ہونے کے باعث عہد مغلیہ سے لے کر اس وقت تک اپنے
مدارک شان اور خوبصورتی کے ساتھ اک مشترکہ سماجی زندگی رکھتا تھا وہ دراندازوں نے
زبان کی تقسیم کے بعد ختم کر دی، میں یہ تو نہیں کہتی کہ زندگی اور ادب کا مجھے ایسا خاص تجربہ حاصل
ہے جس کی بنا پر کوئی حکم لگا سکوں ملک میں بہت سے بزرگ ایسے ہیں جو زبان کے
مسئلہ پر مجھ سے بہتر طریقہ پر روشنی ڈال سکتے ہیں لیکن کچھ تجربہ گرد وپیش کے حالات اور

تقاضوں کا مجھے ضرور ہے میں نے ہندی کے ادیبوں اور شاعروں میں سے چند کو قریب سے دیکھا ہے ہندی ناولوں اور افسانوں کے ترجمے پڑھے ہیں ہندی کی کوتائیں سنی ہیں یہی نہیں بلکہ مجھے ہندی ادب سے محبت ہے ہندی کے گیتوں کا لوچ اور نسائی محبت محبت سے بھرپور ترنم مجھے بہت پسند ہے ہندی کے مدھم اور ہلکے ہلکے بولوں کو میں اکثر اپنی کہانیوں میں جگہ دیتی ہوں لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ اک شاندار قوم محض زبان کے مسئلے پر الجھ کر رہ جائے اس طرح ہمارا مستقبل کبھی سدھر نہ سکے گا میں ہندوستان کے تمام فرد کو ایک قوم کی حیثیت میں دیکھنا چاہتی ہوں اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ زبان کی تفریق ختم کر دی جائے جو لوگ اردو کے خلاف ہیں وہ ہماری قومی وحدانیت پر ایسی کاری ضرب لگا چاہتے ہیں جس سے پھر کبھی پنپنا مشکل ہوگا یہ مرا کہنا تعلّی نہیں حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے اردو کے بجائے ہندی کرنے میں آج کل زمین و آسمان ایک کر دیئے ہیں وہ حالات کے رخ کو نہیں پہچانتے اپنی ان الٹی سیدھی لن ترانیوں سے انھوں نے ملک کو سخت نقصان پہنچانے پر کمر باندھ لی ہے اردو جیسی قوتِ آخذہ ہندی میں کیسے اور کہاں سے آجائے گی اور کس جادو کی چھڑی سے ہندی کے دامن کو بھی ان خزانوں سے بھر دیا جائیگا جن سے اردو کا دامن مالا مال ہے۔

کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں مگر یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اردو کی برابری ہندی ادب کبھی بھی نہ کر سکے گا یہ بات دوسری ہے کہ اردو شعراء کے تمام پاکیزہ خیالوں کو اور بلند تصورات کو ہندی کا جامہ پہنا کر پیش کیا جائے مقابلے کا سوال نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار کرنا ہے اقبال جوش کو چھوڑ کر اردو زبان کے نئے دور نے جو شاعر پیدا کیے جن کی آتشیں نظموں سے اک طوفان اٹھ رہا ہے ان کا مقابلہ بھی ہندی شاعری ابھی نہیں کر سکتی۔

یہ میں مانتی ہوں کہ موجودہ دور کی ہندی شاعری میں تلاش، تجربہ، تصادم، بغاوت، بندش، مصیبت وہ تمام جذبات پائے جاتے ہیں جو آج کل ملک کے ہر انسان کے دل

ہیں مگر وہ طاقت اور جوش اس میں نہیں جو آج کل کی اُردو شاعری کی ایک خصوصیت ہے۔

ہر عہد کا شاعر و ادیب اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے اس دور کے اُردو کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنی نظم و نثر سے ہندوستانی قوم کو موت سے دست و گریباں ہونے کی تعلیم دے کر ان کی نراش اور نڈھال زندگی کو جو طاقت بخشی وہ سیاست دانوں کے بس کی بات نہ تھی۔

ہندوستانی ذہنیت کے تبدیل کرنے میں اردو کے مشہور شعرا نے جو خدمات انجام دی ہیں اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ان شعراء نے آزادی کی راہ میں اس طرح قدم بڑھایا جس طرح ہمارے قومی رہنماؤں نے۔ چند شعرا کے اشعار پیش کرتی ہوں۔ اقبال نے نعرہ لگایا۔

اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو — کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ — جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی — اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

جوش نے حکم دیا۔

کلاہِ خواجگیِ کائنات کج کر کے — نیا زمانہ نیا روزگار پیدا کر

فراق نے پیغام دیا۔

اٹھ پڑے ہو تو اہلِ ہند — بڑھتے ہی چلو صبح و شام
بڑھتے ہی رہنا کام ہے — نام قیام کا نہ لو
کھوٹی نہ ہو رہِ حیات — تم ہو مسافرِ دوام
تم سے یہی پیام ہے

دراصل اُردو زبان نے انھی اجزا کو قبول کیا جو اس کی زندگی کے لئے ضروری تھے جو لوگ سنسکرتی عناصر کی زبان میں بھرمار چاہتے ہیں اس سے کوئی زندہ زبان نہیں پیدا ہو سکتی۔

میرا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ جس زبان کو رائج کیا جا رہا ہے اس میں ہرگز وہ وسعت نہیں پیدا کی جا سکتی جو اک زندہ اور کارآمد زبان کے لئے بے حد ضروری ہے ہندی کے لئے سنسکرت کو سرچشمہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے خود سنسکرت ہزارہا سال سے مردہ زبان چلی آ رہی ہے اس دور میں انسانی سماج نے جو کچھ ترقی کی ہے اور زبانوں میں جن ذخیروں کا اضافہ ہوا ہے ان سے سنسکرت بیکر محروم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی زبان کو سرچشمہ بنا کر جس کی ناداری کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کیونکر کوئی اچھی قابل قبول زبان بنائی جا سکے گی پہلے ہندی اس معیار تک تو پہنچے جو دور حاضرہ کی ضروریات کے مطابق ہو اس کے بعد کہیں اس کی تعمیر سنسکرت کے ستونوں پر قایم کی جا سکتی ہے۔

اس کے جواب میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ انقلابی تصورات کو کتنے ہندی شعرا نے اپنے کلام میں جگہ دی اور کن ہندی شعرا کا کلام حکومت برطانیہ نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ضبط کیا یہ فخر بھی اردو ادبا و شعرا کو حاصل ہے اک جانب انھوں نے عوام کو آزادی کا راستہ دکھایا دوسری جانب خود قید و شدائد کے مصائب بھگتے۔

یہ شعر اردو کے ایک شاعر ہی نے کہا تھا۔

مشق سخن بھی جاری ہے چکی کی مشقت بھی
طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

آج آزاد ہندوستان اپنے ان بہادروں پر ناز کرتا ہے اردو ادب کی ہر دلعزیزی شہروں اور پڑھے لکھے لوگوں تک ہی نہیں کسانوں، مزدوروں تک ہے۔ انقلاب اور دانش پرچم کے پیغام دیہاتوں تک پہونچانے کا سہرا بھی اردو کے سر پر ہی ہے۔ سید مطلبی فرید آبادی کی وہ نظم جس کا عنوان "کسان" ہے اس کے دیباچے میں ڈاکٹر عبدالحق تحریر فرماتے ہیں۔

"پوری کتاب خالص دیہاتی زبان میں ہے نئی ہندی کے حامی یہ دعوے کرتے ہیں کہ یہ زبان ان کے لیے ہم نے اختیار کی ہے کہ ہماری آواز دیہاتوں تک پہنچے اسے پڑھئے اور دیکھئے ان کی زبان نہ دیہاتیوں کی ہے نہ شہریوں کی مطلبی کی شاعری ایسی دیہاتی زبان میں ہے جسے گاؤں والے سمجھ سکتے ہیں"

دیکھئے دیہاتی زبان میں پنگھٹ کی پنہاری کی تصویر شاعر نے اپنی نظم میں کتنی اچھی کھینچی ہے۔

پنگھٹ کی پنہاری چالی — باندھے سیلی ساری چالی
سر پہ کلسہ کلسے پہ گاگر — ہاتھ میں کنجو مونجھ کی بابر
گھونگٹ میں مکھڑا یوں دمکے — بادل میں جوں چندا چمکے
مرگ سی نینوں میں ڈوری کالی — ہونٹوں پہ ناگر پان سی لالی
ناگوری نا کالی ابلا — کھوری پتلی بالی ابلا
پتلی کمر لچکانی جادے — کمر تلک ناگنی لہراتی جادے
کہیں کہیں ٹھوکر بھی کھائی — لپک جھپک پنگھٹ پر آئی

اس بولی ہی کو جنتا کی بولی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ شہروں کی زبان نہیں یہ متمدن شاعری اور علمی تحریروں کی زبان نہیں بن سکتی سخت فارسی آمیز یا سنسکرت ملی ہوئی بولی اگر دیہاتوں میں بولی جائے تو وہاں کے رہنے والے دونو کے سمجھنے سے محروم رہیں گے لیکن اردو کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ داغ کی غزلیں کبھی کبھی چوپالوں میں بھی گائی جاتی ہیں گاؤں کی بہو بیٹیاں شادی بیاہ برسات میں ہر خوشی کے موقعہ پر اردو کے گیت گاتی ہیں ہر تانگے والے سر راہ چلتے لڑکے کی زبان پر اردو شعرا کا کلام ہوتا ہے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بات کا بتنگڑ بنا کر یہ اردو ہندی کا فتنہ ہی کیوں کھڑا کر دیا گیا دوستی ماجائی بہنوں میں لوگوں نے جوڑ توڑ لگا کر زمین و آسمان کا فرق کر دیا تھوڑا سا جو باہمی اختلاف تھا اس کو تو آپس کے میل جول سے دور کیا جا سکتا تھا اردو کے وجود میں آنے کے متعلق کیفی صاحب نے اپنی مشہور کتاب کیفیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"محمود غزنوی اور اس کے پہلے اور عین بعد کے تاریخی سوانح سے قطع نظر جو مسلمان فاتح ۱۱۹۱ء میں اور اس کے بعد آئے وہ ہندوستان میں قبیلے اور حسب و نسب کے اعتبار

میرا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ جس زبان کو رائج کیا جا رہا ہے اس میں ہرگز وہ وسعت نہیں پیدا کی جا سکتی جو اک زندہ اور کارآمد زبان کے لئے بے حد ضروری ہے ہندی کے لئے سنسکرت کو سرچشمہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے خود سنسکرت ہزارہا سال سے مردہ زبان چلی آرہی ہے اس دور میں انسانی سماج نے جو کچھ ترقی کی ہے اور زبانوں میں جن ذخیروں کا اضافہ ہوا ہے ان سے سنسکرت یکسر محروم ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی زبان کو سرچشمہ بنا کر جس کی ناداری کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کیونکر کوئی اچھی قابل قبول زبان بنائی جا سکے گی پہلے ہندی اس معیار تک تو پہنچے جو دور حاضرہ کی ضروریات کے مطابق ہو اس کے بعد پھر کہیں اس کی تعمیر سنسکرت کے ستونوں پر قایم کی جا سکتی ہے۔

اس کے جواب میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ انقلابی تصورات کو کتنے ہندی شعرا نے اپنے کلام میں جگہ دی اور کن ہندی شعرا کا کلام حکومت برطانیہ نے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ضبط کیا یہ فخر بھی اردو ادبا و شعرا کو حاصل ہے اک جانب انھوں نے عوام کو آزادی کا راستہ دکھایا دوسری جانب خود قید و شدائد کے مصائب بھگتے۔

یہ شعرا اردو کے ایک شاعر ہی نے کہا تھا۔

طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی   مشق سخن بھی جاری ہے چکی کی مشقت بھی

آج آزاد ہندوستان اپنے ان بہادروں پر ناز کرتا ہے اردو ادب کی ہر دلعزیزی شہروں اور پڑھے لکھے لوگوں تک ہی نہیں کسانوں، مزدوروں تک ہے۔ انقلاب اور دیش پریم کے پیغام دیہاتوں تک پہونچانے کا سہرا بھی اردو کے سر رہا ہے۔ سید مطلبی فریدآبادی کی وہ نظم جس کا عنوان "کسان" ہے اس کے دیباچے میں ڈاکٹر عبدالحق تحریر فرماتے ہیں۔

"پوری کتاب خالص دیہاتی زبان میں ہے نئی ہندی کے جو حامی یہ دعوے کرتے ہیں کہ یہ زبان اس لیے ہم نے اختیار کی ہے کہ ہماری آواز دیہاتوں تک پہنچے سے پڑھے اور دیکھے ان کی زبان دیہاتیوں کی ہے نہ شہریوں کی مطلبی کی شاعری ایسی دیہاتی زبان میں ہے جسے گاؤں والے سمجھ سکتے ہیں"

دیکھئے دیہاتی زبان میں پنگھٹ کی پنہاری کی تصویر شاعر نے اپنی نظم میں کتنی اچھی کھینچی ہے۔

پنگھٹ کی پنہاری چالی — باندھے بیلی ساری چالی
سر پہ کلسہ کلسے پہ گاگر — ہاتھ میں نیجو مونجھ کی بابر
گھونگٹ میں مکھڑا یوں دمکے — بادل میں جوں چندا چمکے
مرگ سی نینوں میں ڈوری کالی — ہونٹوں پہ ناگر پان سی لالی
ناگوری نا کالی ابلا — کھوری پتلی بالی ابلا
پتلی کمر لچکاتی جاوے — کمر تلک ناگنی لہراتی جاوے
کہیں کہیں ٹھوکر بھی کھائی — لپک جھپک پنگھٹ پر آئی

اس بولی ہی کو جنتا کی بولی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ شہروں کی زبان نہیں یہ متمدن شاعری اور علمی تحریروں کی زبان نہیں بن سکتی سخت فارسی آمیز یا سنسکرت ملی ہوئی بولی اگر دیہاتوں میں بولی جائے تو وہاں کے رہنے والے دونو کے سمجھنے سے محروم رہیں گے لیکن اردو کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ داغ کی غزلیں کبھی کبھی چوپالوں میں بھی گائی جاتی ہیں گاؤں کی بہو بیٹیاں شادی بیاہ برسات میں ہر خوشی کے موقعہ پر اردو کے گیت گاتی ہیں ہر تانگے والے سر راہ چلتے لڑکے کی زبان پر اردو شعرا کا کلام ہوتا ہے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بات کا بتنگڑ بنا کر یہ اردو ہندی کا قصہ ہی کیوں کھڑا کر دیا گیا دوسگی ماجاتی بہنوں میں لوگوں نے جوڑ توڑ لگا کر زمین و آسمان کا فرق کر دیا تھوڑا سا جو باہمی اختلاف تھا اس کو تو آپس کے میل جول سے دور کیا جا سکتا تھا اردو کے وجود میں آنے کے متعلق کیفی صاحب نے اپنی مشہور کتاب کیفیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"محمود غزنوی اور اس کے پہلے اور عین بعد کے تاریخی سوانح سے قطع نظر جو مسلمان فاتح ۱۱۹۱ء میں اور اس کے بعد آئے وہ ہندوستان میں قبیلے اور حسب و نسب کے اعتبار

سے آرین تھے یا زیادہ محتاط رہ کر کہئے وہ ایران کی شائستگی اور تمدن و معاشرت کے رنگ میں رنگے تھے اور ایرانی اسی تنے کی ایک شاخ تھے جس کی دوسری شاخ ہندی آرین تھے اسی کلچر کی یگانگی نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فاتح اور مفتوح کی مغائرت کو محو کر دیا جب دو مختلف قوموں کو ایک ملک میں رہنا ہوا تو وہ معاشرتی اور لسانیاتی لین دین کے بغیر ناممکن تھا اور اس لین دین میں اور اسی یگانگی اور یکجہتی میں جو ہندو مسلمان کی روزمرہ زندگی اور سب سے زیادہ اردو کی پیدائش میں کارفرما ہوئی کس نے زیادہ فراخ دلی سے کام لیا اس تفصیل پر جانے کی ضرورت نہیں اس کا تاریخی نظر سے شاندار نتیجہ آپ کے سامنے اردو موجود ہے اردو کی پیدائش کے ذمہ دار ہندو مسلمان دونوں ہیں اردو کی تدوین اور تنظیم دہلی میں ہوئی اور یہیں اس کو ادبی حیثیت ملی اردو کو ہندو مسلمان دونوں سمجھتے ہیں اردو کا پہلا شاعر امیر خسرو اور پہلا ناشر حضرت گیسو دراز ہیں اردو کی سب سے پرانی غزل جو ملتی ہے وہ ایک ہندو شاعر تخلص برہمن کی ہے۔ کیفی صاحب کے فرمانے کے مطابق اردو کی ہمہ گیری سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے بنانے میں ہندو مسلمان دونوں کے بہترین دماغوں نے حصہ لیا ہے جن بزرگوں کی کوشش سے یہ بنی اور پروان چڑھی ہے انھوں نے کچھ اس اٹھان پر اس کو اٹھایا ہے کہ ہر زبان کے لفظ اس میں آکر اس طرح رچ جاتے ہیں گویا اس کے لئے ہی بنے تھے سماج اور سامراج دونوں سنسکرت کے لفظ ہیں لیکن اردو دنیا نے ان کو ایسا اپنایا ہے کہ اب یہ ہمارے لئے بیگانے نہیں رہے اس ملک کے رہنے والوں پر تقریباً ایک ہزار سال سے اجنبی کا غلبہ تھا اس غلبے کی تاریخ افغانوں سے لے کر انگریزوں پر ختم ہوتی ہے ہندوستان میں مغل حکومت کی تباہی کے بعد اک نیا عہد غلامی شروع ہوا جس میں ہندو مسلمان دونوں کے غلام تھے۔ ایک پنجرے میں دو چڑیاں تھیں جنھوں نے اپنے مشترک کلچر مشترک زبان سے اک نیا پریم کا شوالہ سجایا تھا۔ خیالات دونوں کے ایک۔ اٹھنے بیٹھنے کے طریقے ایک زبان ایک اور آزادی کی راہ میں جب یہ دونوں ایک ہو کر اٹھے تو ایوانِ سیاستِ برطانیہ کے ستونوں

ہلاڈالا اگر ایک جانب تلک، گوکھلے، موتی لال، گاندھی جی، جواہر لال، سبھاش چندر بوس تھے تو دوسری جانب علی برادران، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا آزاد، تصدق احمد خاں شیروانی تھے ان دونو فرقوں کے خیالات کو لفظی جامہ پہنانے والی زبان اُردو تھی ہمارے اس عہد کے کارناموں کی امانت دار اردو ہی ہے اک نیا ڈھانچہ بن رہا تھا جس میں محبت اور خلوص کی بنیاد تھی اور اشتراک عمل کا ساز و سامان لیکن ہندوں کو یہ کچھ اچھا نہ معلوم ہوا اور انھوں نے جوڑ توڑ کر کے اس میں تعصب کا گھن لگا دیا اور جو ڈھانچہ ہمارے قومی راہ نماؤں اور اس ملک کے بہترین دماغوں نے سالہا سال کی محنت کے بعد مل جل کر تیار کیا تھا جس کی بنیادوں میں سیکڑوں جانبازوں نے اپنا مقدس خون دیا تھا اور جس عمارت کے تیار کرنے کے لئے ہمارے لیڈروں نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ جیلوں میں گذارا تھا اس کی آخری اینٹ اب افسوس ہے زبان الگ کر کے نکال دی گئی۔

لیپا پوتی دوسری چیز ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اب پنپنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ملک کی تقسیم کے بعد دراندازوں نے زبان کی تقسیم بھی کر دی۔

سانس دیکھا تنِ بسمل میں جو آتے جاتے اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

ہمارے ملکی بھائی ان دنوں کس درجے متعصب ہو گئے ہیں اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے اتحاد و یگانگت کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب ایک دل ہوں اور اردو اس اتحاد کی نیو ہے جن لوگوں نے اس زبان کو ختم کرنے کی نیت باندھ لی ہے انھوں نے ہماری قومی طاقت کو ختم کرنے کی بھی ٹھان لی ہے یہ کوئی عقل کی بات ہے کہ ۶ ہزار سال پہلے کے کلچر کو اس بیسویں صدی میں رائج کیا جائے اور انسانوں کو رشی منی بنا دیا جائے اس فلسفے کی بلندی سے تو انکار نہیں مگر اس کا تجربہ کرنا بہت نقصان دہ ہوگا اس کلچر اور اس زبان کے زمانے میں ملک جس طرح آپس کے نفاق کی بدولت غلام رہا ہے اور فاتح آتے رہے ہیں اس سے ہم میں سے کوئی بھی ناواقف نہیں ہے۔

کلچر، زبانیں، ڈوپہر، ڈوپہر دہ سیاسی اور معاشرتی وحدت کہاں تلاش کی جائے جو ہندوستانیوں کی ذہنی پستی دور کرنے کا کارگر نسخہ ہوسکتی ہے۔

ہندی دنیا کا یہ اعتراض کہ اردو شعرا اپنے کلام میں ہندوستان کی روایات کا خیال بالکل نہیں کرتے بالکل بیجا ہے نظیر اکبرآبادی سے لے کر موجودہ دور کے شعرا کے کلام تک ہندی ساز و سامان کی اردو شاعری میں کمی نہیں ہے جوشؔ جن کے کلام میں موجودہ دور کے تمام شعرا سے زیادہ فارسیت ہوتی ہے ان کے یہاں بھی آفاقیت کافی پائی جاتی ہے۔

"پیمان محکم" میں جوش صاحب کہتے ہیں۔

قسم اس عزم کی ساونت جب میدانیں آتے ہیں
دم رخصت عروس نو کا جب گھونگٹ اٹھاتے ہیں

قسم اُن قوتوں کی جو ملی تھیں رام و لچھمن کو
قسم اس آگ کی جو کھا گئی تھی ملکِ راون کو

قسم اس نور کی روشن تھی جادے جس سے صحرا کے
جھلکتا تھا جو ٹیکے کی طرح ماتھے سے سیتا کے

قسم اُس تیر کی چلتا تھا جو چٹکی سے ارجن کی
قسم میدان میں گاتی ہوئی تلوار کی دھن کی

قسم اس جوش کی جو ڈوبتی نبضیں ابھاریگا
کہ اے ہندوستاں جیسے ہی تو مجھ کو پکاریگا

مری تیغ رواں باطل کے سر پر جگمگائے گی
ترے ہونٹوں کی جنبش ختم بھی ہونے نہ پائیگی

اردو شعر و ادب نے ہندوستانی سماج کے بنانے میں وہی حصہ لیا جو کسی ترقی کرنے والے ملک کا ادب لیا کرتا ہے اس زبان کو جس میں میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ کا کلام ہے اور جس کے سر پر ابھی حسرتؔ، جگرؔ، جوشؔ اور فراقؔ موجود ہیں کون ختم کر سکتا ہے اردو زندہ ہے اور زندہ رہے گی وہ حکومت کی زبان نہیں عوام کی زبان ہے اس لئے اردو دنیا کو مایوس ہونے کے بجائے زیادہ ہمت اور جوش سے اس کے لئے کام کرنا چاہئے اب میں دو اور اردو کے بہی خواہ ہندو بزرگوں کے خیال اردو کے متعلق پیش کرتی ہوں اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے کہ اس زمانے میں بھی جب ہر طرف بغض و حسد کی آندھیاں چل رہی ہیں، نفاق کے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ کچھ ایسے ایماندار لوگ بھی ہیں جو صلح و آشتی کی شمع جلاتے

ہوئے اس راستے پر گامزن ہیں جو حق و انصاف کا ہے مجھے امید ہے ان چند برگزیدہ ہستیوں کے دم سے اُردو زبان کی نادان مخالف ہواؤں کے تھپیڑوں کے باوجود ٹھیک راستے پر چلتی رہے گی ان دو نو بزرگوں میں سے پہلے صاحب ہیں ڈاکٹر تاراچند اور دوسرے ہیں پنڈت نشن پرشاد کول؛

ڈاکٹر تاراچند صاحب اپنے ایک مقالے میں جو اردو ہندی کے عنوان سے ایشیا مئی ۱۹۴۲ء میں چھپا تھا فرمایا تھا۔

"لوگ اُردو کے متعلق کچھ کہتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ ہندوانی زبان کا شاید ہی کوئی رُخ اور پہلو ایسا ہو جسے اُردو زبان میں پیش نہ کیا گیا ہو اُردو میں اپنشدوں کے ترجمے موجود ہیں بھاگوت گیتا کا ترجمہ ہو چکا ہے سمرتیوں، مہابھارت، رامائن اور بہت سے پرانوں کے ترجمے اردو میں مل سکتے ہیں ہندو مذہبیات اور فلسفۂ مذہب پر اُردو میں بڑی بڑی تصانیف موجود ہیں جن میں ہندو دیومالا ہندوؤں کی عبادتوں اور جاتراؤں وغیرہ سے بحث کی گئی ہے ان کے علاوہ ہندو آرٹ خصوصاً موسیقی پر کثرت سے اُردو کتابیں موجود ہیں سنسکرت کے بہت سے ڈرامے، کہانیاں اور نظمیں اردو ادب میں جگہ پا چکی ہیں ہندوؤں کے علوم ریاضی، کیمیا وغیرہ کے تذکرے اردو کتابوں میں ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ اُنیسویں صدی کے آخر تک بہت سے ہندو اردو کو اظہار خیال کا ذریعہ بناتے تھے اور شمالی ہند کے بہتیرے پڑھے لکھے ہندو نہ صرف معلومات بڑھانے کے بلکہ ذوق سلیم کے تقاضے سے اردو کتابیں پڑھتے تھے۔ اس زمانے میں ہندو بے جا تعصب کی بدولت ہندو رفتہ رفتہ اردو کا دامن چھوڑ رہے ہیں اردو نے ہندوؤں کی خدمت کی اور ان کی ضروریات پوری کیں ساتھ ہی ساتھ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی ضروریات کو زیادہ تر پورا کیا جہاں تک تخلیقی ادب کا تعلق ہے اردو کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونو پر فخر ہے بے شمار ہندو اہل قلم نے شاہجہاں کے زمانے سے لے کر اب تک اردو کو اپنے جذبات و خیالات کے اظہار کا ذریعہ